بلاک۲:　اندلس میں نثر فنی

اکائی ا:　اندلس میں نثر فنی کا ارتقاء، اس کی خصوصیات اور نمائندہ شخصیات

ا.ا : تمہید

ا.۲ : اغراض ومقاصد

ا.۳ : اندلس کی نثر نگاری

ا.۴ : اندلس کی فنی نثر نگاری اور اس کے اصناف

ا.۵ : فن خطابت

ا.٦ : مکالماتی ادب

ا.۷ : رسائل

ا.۸ : قصہ

ا.۹ : مقامہ

ا.ا۰ : سفرنامہ

ا.اا : بعض اہم تصانیف

ا.ا۲ : رسالة التوابع والذوابع

ا.ا۳ : طوق الحمامة

ا.ا۴ : قصة حي بن بقطان

۱.۱۵ : بعض اہم نثر نگار

۱.۱۶ : ابن شہید

۱.۱۷ : ابن بردالأصغر

۱.۱۸ : ابن حزم

۱.۱۹ : ابن زیدون

۱.۲۰ : ابن طفیل

۱.۲۱ : لسان الدین بن الخطیب

۱.۲۲ : خلاصہ

۱.۲۳ : نمونے کے امتحانی سوالات

۱.۲۴ : مطالعہ کے لیے معاون کتابیں

۱.۱ : تمہید

جزیرہ نما اندلس جو کہ یورپ کے جنوب مغرب میں واقع سمندر، دریاؤں کوہستانی سلسلوں اور محلوں والی سرزمین سے عبارت ہے جسے مختلف قوموں نے اپنا مسکن بنایا اور اس جزیرہ نما قطعہ ارضی کے پر کیف ساحلوں، سبزہ زاروں اور پھولوں کی بھینی بھینی خوشبوؤں سے لطف اندوز ہوئیں ان قوموں میں جہاں بربسک، سلت، جلالقہ، فندل، قوط، فینیقی، رومانی اور بربر قومیں بستی رہیں وہیں عربوں کی بھی آمد ۹۲ھ/۷۱۱ء میں ہوئی۔تقریباً آٹھ سوسالوں تک ان کی حکمرانی رہی۔مسلمانوں کی آمد کے ساتھ ہی یہاں پر عربی زبان کے پھلنے پھولنے کا موقع ملا اور ایک وقت ایسا بھی آیا کہ اس سرزمین پر عربی زبان نے اپنا سکہ جمالیا۔اس پر کیف فضا میں جہاں ایک طرف عربی شعر گوئی پروان چڑھی وہیں عربی نثر نگاری نے ارتقاء کے مختلف مراحل طے کیے اور اندلسی عربی نثر نگاری نے عربی ادب میں اپنا ایک مقام بنالیا۔اس اکائی میں عربی نثر کے اسی ارتقاء پر گفتگو کی جائے گی۔

۱.۲ : اغراض و مقاصد

بلا شبہ عربی نثر نگاری جس طرح سے مشرق میں ارتقاء کے مختلف مراحل سے گزری کبھی مسجع مقفیٰ عبارتوں کا چلن رہا ہے اور کبھی نثر نگاری ایجاز اختصار کی عبارت رہی تو کبھی اس نے بسط وتفصیل کی چادر پھیلا دی، کبھی اس میں مترادفات کی کثرت اور معانی میں بے تکلفی پر زور دیا گیا۔اور کبھی ادبی موضاعات کے تنوع کو نثر نگاری نے اپنے دامن مین سمیٹ لیا۔جب ہم مشرق کی نثر نگاری پر نظر ڈالتے ہیں تو مختلف ادباء اوران کے اسلوب وطرز تحریر کا بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے اسی طرح اندلس میں عربی ادب اور اس کی نثر نگاری نے بھی مختلف مراحل طے کیے اور مشرقی ادبی تخلیقات، اندلس کے ادباء تک پہنچتی رہیں جس کے نتیجے میں اندلس میں بھی اسی طرح کی ادبی تخلیقات منظر عام پر آنے لگیں، اس اکائی کے مطالعہ سے ہماری اندلس میں عربی نثر نگاری کے ارتقاء، اس کے اسلوب، اصناف اور اس فن کی نمائندہ تخلیقات پر ایک نظر ہوجائے گی۔وہیں دوسری طرف اندلس کے مشہور نثر نگاروں اوران کے کارناموں کی تفصیلات فراہم ہوگی۔

۱.۳ : اندلس کی نثر نگاری:

مسلمانوں نے جب اندلس کی سرزمین پر اپنا قدم رکھا تو اس وقت انھیں ایسے نثری ادب کی ضرورت محسوس ہوئی جس کے ذریعے امراء وحکام سے روابط کو مضبوط کیا جاسکے، یہی وجہ ہے کہ نثر کی ابتداء اندلس میں رسائل، خطبات اور مکالمات کی شکل میں رونما ہوتی ہے۔

عبدالرحمٰن الداخل (۱۱۳-۱۷۲ھ/۷۳۱-۷۸۸ء) کے عہد ہی سے فتوحات کے ساتھ ساتھ وہاں پر علوم وفنون کی طرف بھی توجہ دی جانے لگی اور مساجد و مدارس کی تاسیس کی گئی۔علماء اور ادباء نے ادبی وعلمی کام شروع کیا جن میں ابوموسیٰ الھواری، عبدالملک بن حبیب، یحیٰی بن یحیٰی اللیثی اور زیاد بن عبدالرحمٰن کے نام قابل ذکر ہیں۔اس دور کی نثر نگاری پر دینی رنگ غالب تھا اور مسجع ومقفیٰ اسلوب کے ساتھ غریب الفاظ کا استعمال ہوتا رہا۔

عبدالرحمٰن الأوسط (۱۷۶-۲۳۸ھ/۷۹۲-۸۵۲ء) نے جب اقتدار سنبھالا تو عرب ثقافت نے اندلس میں ارتقا کے کچھ اور مراحل طے کیے اور یہ چیز المنذر بن محمد (۲۲۹-۲۷۵ھ/۸۴۴-۸۸۸ء) اور عبداللہ بن محمد (۲۲۹-۳۰۰ھ/۸۴۴-۹۱۲ء) کے عہد میں بھی جاری رہی، ان حکمرانوں نے بہت سارے اہل علم کو مشرق بھیجا اور یہ لوگ وہاں سے علم وآگہی کی دولت سے مالا مال ہوکر لوٹے اور اندلس میں ایک علمی ذخیرہ اکٹھا ہوگیا اور نثر عبدالحمید الکاتب اور جاحظ جیسے مشرقی ادباء کے اسلوب سے متاثر ہوئی۔ایجاز کے ساتھ ساتھ اطناب سے بھی کام لیا گیا۔نثر نگاری میں مترادفات کی آمیزش ہوئی جس سے تکرار کا احساس ہوتا ہے مگر چھوٹے چھوٹے خوبصورت مترادف جملوں کے ذریعے دراصل ادیب اپنے مقصود کو قاری کے ذہن میں راسخ کرانا چاہتا ہے۔

آگے چل کر عبدالرحمٰن الثالث (۸۹۱-۹۶۱ء) اور حکم بن عبدالرحمٰن (۹۱۵-۹۷۶ء) نے اہل وادباء کی حوصلہ افزائی کی۔اس کا کتابوں سے لگاؤ عشق کی حد تک تھا اس کے اپنے کتب خانے میں کم وبیش چار لاکھ کتابیں تھیں اور اس نے اہل علم کے لیے اپنے محل میں نشستیں مخصوص کر رکھی تھیں جہاں

بیٹھ کر یہ اہل علم اپنے علم و ہنر کے جوہر دکھاتے تھے۔اس دور کے مشہور نثر نگاروں میں ابن المنذر ابن جھور، ابن بسیل اور خواتین میں مزنہ اور لبنیٰ مشہور ہوئیں۔

رفتہ رفتہ اندلسی نثر ارتقا کے مراحل سے گزرتی رہی اور اندلس کی سرزمین سے ایسے نثر نگار پیدا ہوئے جنھوں نے عربی نثر نگاری میں اپنا مقام بنا لیا جن میں سے کچھ اتنے مشہور ہوئے کہ اپنی نثر نگاری سے عربی ادب میں جانے جانے لگے۔جن کی زندگی اور نثر نگاری پر آئندہ اوراق میں تحریر کیا جائے گا۔ بالخصوص ان ادبا میں ابن شہید، ابن بردالأ صغر، ابن حزم، ابن زیدون، ابن طفیل اور لسان الدین بن الخطیب کا نام قابل ذکر ہے اسی اکائی میں ان ادبا پر قدرے تفصیل سے تحریر کیا جائے گا۔

۱.۴ : اندلس کی فنی نثر نگاری اور اس کے اصناف:

یورپ کے جنوب مغرب میں واقع آئبیریا (IBERIA) جسے فینیقیوں نے خرگوشوں کے ساحل سے تعبیر کیا تو مسلمانوں نے اندلس کا نام دیا جزیرہ نما اندلس باغات، سبزہ زاروں، پھلواریوں اور بھینی بھینی خوشبوؤں سے جانا جاتا ہے بر آں مزید آثار قدیمہ کی خیرہ کردینے والی عمارتیں فن تعمیر میں اپنا جادو بکھیرتی ہیں، کہیں سمندر کی موجیں ساحلوں سے کھیلتی ہیں تو کہیں اشبیلیہ، غرناطہ، قرطبہ، زاہرہ اور زہراء جیسے پر کیف فضا والے شہر اس سرزمین کے حسن کو دوبالا کرتے ہیں۔اس پر بہار فضا نے ادبا و شعراء کو اپنی تخلیقات کو دنیا کے سامنے پیش کرنے میں مدد کی اور جس طرح سے ان ساحلوں اور گل و گلاب سے معطر فضا میں شعراء نے عاطفہ اور خیال کو الفاظ کے قالب میں ڈھالا۔اسی طرح نثر نگاروں کی ادبی تخلیقات بھی منظر عام پر آئیں۔البتہ اتنا ضرور ہے کہ عربی اندلسی نثری ادب کہیں نہ کہیں مشرق سے اثر قبول کرتا رہا۔ بڑی عجیب بات ہے کہ اندلس کے اکثر مشہور نثر نگار شاعر بھی تھے جیسا کہ ابن زیدون، ابن شہید، ابن حزم، ابو حفص بن برد اور لسان الدین بن الخطیب وغیرہم کو جہاں ایک طرف اندلس کے بڑے نثر نگاروں میں شمار کیا جاتا ہے تو دوسری طرف اندلس کے مشہور شعرا میں بھی ان کا نام آتا ہے۔اندلس کے نثر نگاروں نے اپنے جوہر جن اصناف میں دکھائے اس کی ایک جھلک پیش کی جارہی ہے اور اس کے بعد اندلس کے اہم نثر نگاروں اور ان کی ادبی خدمات پر روشنی ڈالی جائے گی۔

۱.۵ : فن خطابت:

اندلسی نثر نگاری اپنے ابتدائی مراحل میں خطبات، رسائل اور وصایا و مکالمات تک محدود رہی پھر آگے چل کر اس نے کہانی کا روپ بھی لیا۔ جب ہم اندلسی فن خطابت پر گفتگو کرتے ہیں تو ہماری نظر طارق بن زیاد کی طرف منسوب خطبہ پر پڑتی ہے جس کے ذریعے اس نے اپنی فوج کو مخاطب کیا ہے اس کا ذکر المقری نے اپنی کتاب **نفح الطیب** میں کیا ہے۔مگر اس نص کے بارے میں بعض شکوک کا اظہار کیا جاتا ہے۔

عبدالرحمٰن الداخل اور عبدالرحمٰن الاوسط بھی اپنے خطبات سے کافی مشہور ہوئے۔اموی حکمرانوں کے ان خطبات پر نظر ڈالیں تو ہمیں سجع کا عنصر بھی نظر آتا ہے اور اطناب و تفصیل کی جھلک بھی ملتی ہے اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ اسلوب عبدالحمید الکاتب کے اسلوب سے میل کھاتا ہے اسی طرح فقیہ منذر بن سعید البلوطی کا وہ خطبہ جو اس نے قسطنطنیہ کی سفارتی ذمہ داری کے اعزاز میں دیے جانے والے استقبالیہ میں دیا تھا اس خطبہ کا اسلوب جاحظ کے اسلوب سے میل کھاتا ہے۔

۱.۶ : مکالماتی ادب:

جب ہم اصناف نثر پر گفتگو کرتے ہیں تو مکالماتی ادب بھی ان میں نمایاں نظر آتا ہے اس کے اسلوب میں وہی تدریج اور تنوع پایا جاتا ہے جو باقی اصناف میں نظر آتا ہے امیر عبداللہ اور اس کے ایک غلام کے درمیان ہونے والا مکالمہ مختصر اور خوبصورت جملوں کا مرقع ہے اس طرح منذر الفقیہ اور

الناصر کے درمیان جو مکالمہ ہوا وہ مکالماتی ادب کی مثال ہے۔ واقعہ کچھ اس طرح ہے کہ الناصر نے سونے کا قبہ بنوایا جس کے بارے میں اس کے مصاحبین تعریفوں کے پل باندھ رہے تھے اور منذر الفقیہ بھی وہیں آ گئے اور الناصر نے ان سے پوچھا کہ آپ کی کیا رائے ہے تو منذر کے الفاظ یہ تھے:

"یـا أمیـر الـمـؤمنین ما ظننت أن الشیطان۔ لعه الله یبلغك هذا البلغ ولا أن تمكنه من نفسك هذا التمكین مع ما أتاك الله من فضله و نعمتهٖ وفضلك به علی العالمین حتی ینزلك منازل الكافرین"

الناصر اس بات پر مشتعل ہو گیا اور کہا **"انظر ماذا تقول، كیف أنزلتنی منزلتهم"**

منذر نے جواب دیا:

"نـعم ! ألیس تعالیٰ یقول: ﴿ وَلَوْلَا أَن يَكُونَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَن يَكْفُرُ بِالرَّحْمَٰنِ لِبُيُوتِهِمْ سُقُفًا مِّن فَضَّةٍ وَمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُونَ (٣٣)﴾ سورة الزخرف۔

الناصر پریشان ہوا اور سر جھکا کر بولا:

"جزاك الله یا قاضی عنا وعن نفسك خیراً وعن الدین والمسلمین أجل الجزاء۔ فالذی قلت هو الحق۔"

۱.۷ : رسائل:

رسائل کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ رسائل دیوانیہ

۲۔ رسائل شخصیہ

۳۔ رسائل ادبیہ

رسـائـل دیوانیة: اندلس میں اموی سلطنت کے مؤسس عبدالرحمٰن الداخل نے رسائل دیوانیہ (سرکاری رسائل) پر توجہ دی بالخصوص اس اموی خانوادے میں ہشام بن عبدالملک نے نثر کی اس صنف پر خاص توجہ دی۔ اور عبدالرحمٰن الداخل نے اپنے محل میں اس کام کی انجام دہی کے لیے قرطبہ میں امیہ بن یزید بن ابوحوثرہ کا انتخاب کیا اور اس کے بیٹے ہشام بن عبدالرحمٰن (۱۳۹۔۱۸۰ھ/ ۷۵۷۔۷۹۶ء) نے محمد بن امیہ کا انتخاب کیا اس کے بعد اس فن میں کام کرنے والوں میں حجاج المغیلی اور قطیس بن سلمان کا نام آتا ہے۔

عبدالرحمٰن الأوسط جسے اندلسی ثقافت اور باقاعدہ دفتری نظام کا بانی مانا جاتا ہے، نے جب اپنے وزرا کا انتخاب کیا اور وزارت کو مختلف شعبوں میں تقسیم کیا تو مختلف وزارتوں میں مستقل طور پر اسی طرح کے کاتبین کی ضرورت محسوس ہوئی اور ان کاتبین کی کثرت نے اس فن کو مزید آگے بڑھایا، اور اس فن میں کام کرنے والوں کو **"أصحـاب الـکتابة العلیا"** کے نام سے جانا جاتا تھا۔ جن میں عبدالکریم بن عبدالواحد بن مغیث، محمد بن سعید الزجالی اور عبداللہ بن محمد بن امیہ کا نام قابل ذکر ہے۔

عبدالرحمٰن الأوسط کے انتقال کے بعد محمد بن عبدالرحمٰن الأوسط (۲۰۷۔۲۷۳/۸۲۳۔۸۸۶) کے دور اقتدار میں قومس بن انتنیان کو اس فن میں کافی مقبولیت ملی۔ اس طرح حامد بن محمد بن سعید الزجالی (متوفی ۲۶۸) نے بھی اس فن کی خدمت کی اور بعد میں عبیداللہ بن محمد اور عبداللہ بن محمد بن عبداللہ الزجالی نے بھی اس فن میں اپنی خدمات انجام دیں اور عبدالرحمٰن الناصر (۲۷۷۔۳۵۵ھ/ ۸۹۱۔۹۶۱ء) کے دور اقتدار میں عبداللہ بن محمد عبداللہ الزجالی کے بعد عبدالملک بن جہور، عبدالحمید بسیل، عبدالرحمٰن بن بدر اور عیسیٰ بن خطیس بن اصبغ بن قطیس کا نام قابل ذکر ہے جیسا کہ عیسیٰ بن قطیس کا ۳۲۷ھ

میں لکھا ہوا رسالہ مسجع عبارتوں سے خالی ہے، اوران سرکاری رسالوں کی تحریریں الحکم المستنصر (۳۰۲۔۳۶۶/ ۹۱۵۔۹۷۶ء) کے زمانے تک سجع سے خالی تھیں۔اس فن میں مسجع ومقفی عبارتوں کا چلن الحکم کے بیٹے ہشام (۳۵۴۔۴۰۳ھ/ ۹۶۶۔۱۰۱۳ء) کے دوراقتداراوراس کے حاجب المنصور بن ابی عامر اوراس کے دونوں بیٹوں المظفر اورالناصر کے عہد میں ہوا جیسا کہ ہمیں **ابن برد الأکبر** کی تحریروں میں نظرآتا ہےاس کے بعد طوائف الملو کی کا دورآتا ہےاورادباء وشعراء میں بھی باہمی تنافس پایا جانے لگا تو ان امراء کے لیے لکھنے والے کاتبوں نے بھی مسجع عبارتوں کا استعمال شروع کیا اس طرح کے رسائل لکھنے والوں میں محمد بن احمد البز لیانی جو کہ صاحب غرناطہ حبوس کا کاتب تھا اوراسی طرح سے ابوعامر الترکانی کا نام قابل ذکر ہے۔

اس دور کے اس فن کے ممتاز ادباء میں ابوالمطرف بن مثنی ہے جو کہ مامون بن ذوالنون امیر طلیطلہ کا کاتب تھا اسی طرح ابوالمطرف عبدالرحمٰن بن فاخر جو کہ ابن الدباغ کے نام سے مشہور ہوا امیر سرقسطہ المقتدر بن ہود کا کاتب تھا۔شخصی رسائل کے کاتبوں میں اس کا ایک خاص مقام ہے، اسی طرح سے اشبیلیہ کے امیر المعتضد بن عباد کا کاتب ابن المعلم اورامیر بطلیوس المتوکل بن الأفطس کے کاتب محمد بن أیمن کو اس فن میں شہرت ملی۔

''مرابطین''اور''موحدین'' کے دور سے یہ فن گزرااوراس دور کے کاتبوں نے اپنے اپنے رسائل لکھےاور بنوالأحمر ممتاز کاتبوں میں ابن الحکیم اورلسان الدین بن الخطیب کا نام قابل ذکر ہے۔

رسائل شخصیة: جن ادباء نے سرکاری رسائل میں اپنی خدمات انجام دیں انھیں بلاشبہ اپنے عواطف وجذبات کوالفاظ کے قالب میں ڈھالنے پرقدرت حاصل تھی اورسرکاری رسائل کے پہلو بہ پہلواس طرف بھی ان کی توجہ رہی۔ان ادباء نے کبھی شکر کا اظہار کیا تو کبھی عفو کے طلبگار رہوئے، کبھی معذرت خواہ ہوئے تو کبھی الفاظ کے قالب میں ہدیۂ تبریک پیش کیا۔اندلس کی نثر نگاری کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں چوتھی صدی ہجری کے اواخر میں المنصور بن ابوعامر کے عہد سے پہلے شخصی رسائل کے نصوص نہیں مل پاتے ہیں۔اس نوعیت کی ایک نثر نگاری ابن دراج کے ایک شکر گزاری کے رسالے میں جھلکتی ہے جس میں اس نے اس کا شکرادا کیا ہے جس نے اس کو تنگ دستی سے نکلنے میں مدد کی۔یہ رسالہ ابن بسام نے الذخیرہ میں نقل کیا ہے یہ رسالہ مسجع اور مقفی ہے الفاظ کے ذریعے تزئین پر زور دیا گیا ہے، اسی طرح ابن شہید متوفی ۴۲۶ھ نے بھی شخصی رسائل کے ضمن میں آنے والی اپنی تحریر چھوڑی ہیں جس میں یہ ماہر ادیب طوالت اوراطناب سے کام لیتا ہے اس نوعیت کا اس نے ایک اور رسالہ امیر بلنسیہ کا شکر اوراپنی طرف سے معذرت میں لکھا۔

طوائف الملو کی کے دور پر جب نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں ابن بردالأصغر کے وہ رسائل نظرآتے ہیں جو شخصی رسائل کے ضمن میں آتے ہیں اس کا ایک رسالہ ایک دوست کی مذمت میں ہے اس طرح سے اس کا ایک اور رسالہ جس میں اس نے امیر قرطبہ ابوالولید بن جہور کو مخاطب کیا ہے۔

ابن بسام کی کتاب "**الذخیـــرة**" میں اس نوعیت کے رسائل بکثرت نقل کیے گئے ہیں۔اس طرح ابومحمد بن عبدالرحمٰن کے مختلف شخصی رسائل مودت ومحبت اورتہنیت وتعزیت کے اظہار میں ملتے ہیں اس سلسلے میں اس کا ایک مشہور شخصی رسالہ جس کو اس نے ایک ایسے باپ کو تعزیت کرتے ہوئے لکھا ہے جس کا بیٹا دین کے دشمنوں سے جنگ میں اپنی جان دے دیتا ہے۔

اس طرح سے ابن دباغ اورابوعمر الباجی نے مختلف شخصی رسائل تحریر کیے یہ دونوں امیر سرقسطہ المقتدر بن ہود کے کاتب تھے اوربعض وہ شعراجن کے شخصی رسائل ہمیں ملتے ہیں ان میں ابن الحداد کا نام بھی قابل ذکر ہے اس کے شکر وامتنان اوراخوت پرمبنی رسائل بہت مشہور ہوئے۔

اوراس طرح سے اس نوعیت کے رسائل کے نمائندہ ادباء میں ابوعبدالرحمٰن بن طاہر، ابوالحسین سراج بن عبدالملک بن سراج اورابن عبدون جیسے مشہور اندلسی شاعر کے رسائل ملتے ہیں اورابن خفاجہ اوراس کا معاصر ابوعبداللہ بن ابوالخصال نے شخصی رسائل کوآگے بڑھانے میں رول ادا کیا، ابوعبداللہ بن ابوالخصال عہد مرابطین کے اواخر کا ایک بڑا کاتب تھا۔

اس طرح کے رسائل میں موحدین کے دور میں صفوان بن ادریس متوفی ۵۹۸ھ کا وہ رسالہ جس میں اس نے ابوالقاسم بن بقی کو ۵۹۲ھ میں ایک ذمہ داری عطا ہونے کی مناسبت سے مبارکباد دی ہے، اسی طرح عہد موحدین کے اواخر میں شخصی رسائل کے لکھنے والوں میں سہل بن مالک کا نام بھی

قابل ذکر ہے۔

رسائل أدبية: رسائل کی تیسری قسم ادبی رسائل جس کی کثیر تعداد نے اندلسی نثر نگاری کو ایک منفرد پہچان عطا کی ان رسائل کی شکل میں اندلسی ادبا نے مختلف تصانیف چھوڑی جب کہ ادباء اندلس اپنے شخصی رسائل میں جب مودت ومحبت، اخوت و ہمدردی یا تعزیت کا اظہار کرتے ہیں تو اپنے جذبات کو الفاظ کے قالب میں ڈھال کر صفحات کے صفحات بھر دیتے ہیں اس سلسلے کے رسائل کو ابن بسام نے الذخیرہ میں جمع کیا ہے اسی طرح فطری مناظر کی عکاسی میں بہت سارے شخصی رسائل ہمیں ملتے ہیں جیسا کہ ابن برد، حبیب اور ابوعمر الباجی نے پھولوں کی ترجمانی اپنے اپنے رسائل میں کی ہیں اسی طرح بعض ادباء نے قحط سالی کے بعد بارش کا وصف بیان کیا ہے اور ابن ابوالخصال نے اپنے ایک رسالہ میں سخت ٹھنڈی رات کی تصویرکشی کی ہے۔اسی طرح غرناطہ کے مختلف ادباء نے فطری مناظر کی عکاسی میں مختلف رسائل لکھے ان میں ابن الخطیب کا نام سرفہرست ہے۔

ان اندلسی ادباء کی تحریروں میں فکاہت کا عنصر پایا جاتا ہے۔اندلس کے بعض رسائل اوران کی ہزلیہ گفتگو سے مشرق کے ادباء نے بھی استفادہ کیا۔

پانچویں صدی ہجری کے اوائل میں احمد بن عباس نے ایک ہزلیہ رسالہ تحریر کیا اس طرح سے ابن شہید کے مشہور رسالہ: **التوابع و الذوابع** میں بھی مزاحیہ ادب کا عنصر ہے اور اندلسی شاعر اور ادیب ابن زیدون نے بھی ہزلیہ رسالہ تحریر کیا۔جب ہم اندلسی ادبی رسائل پر طائرانہ نظر ڈالتے ہیں تو ان کے لکھنے والوں میں جہاں ایک طرف ابن شہید کا نام آتا ہے تو اس کے ساتھ ساتھ ابن برد الأصغر صاحب رسالة "**السيف والقلم**"، "**رسالة النخلة**" اور "**رسالة أهب الشاء**" اور ابن زیدون صاحب "**الراسلة الهزلية**" و"**الرسالة الجدية**" کے نام قابل ذکر ہیں۔

اس کے علاوہ اندلس کے ادباء نے بہت سارے رسائل نبویہ تحریر کیے جن میں ان ادباء نے ادبی اسلوب میں نبی ﷺ سے اپنے عشق ومحبت کا اظہار کیا۔طوائف الملوکی کے آخری دور میں اس طرح کے رسائل کی کثرت ہوئی جن میں روز حشر، آپؐ کی شفاعت اور آپؐ کے روضہ کی زیارت کا شوق وغیرہ ادبی اسلوب میں دکھائی دیتا ہے۔رسائل نبویہ کے لکھنے والوں میں ابوعبداللہ محمد بن محمد بن احمد الانصاری کو بہت شہرت حاصل ہوئی۔یہی اندلسی ادیب ابن الجنان کے نام سے جانا جاتا ہے۔

۱.۸ : **قصة**:

جب ہم اندلس کی قصہ نگاری کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہماری نظر چھٹی صدی ہجری یا گیارہویں صدی عیسوی کی ابتدا میں غرناطہ کے قریب وادی آش میں پیدا ہوئے ایک ایسے ادیب اور فلسفی پر پڑتی ہے جسے ادبی دنیا ابن طفیل کے نام سے جانتی ہے اس نے فلسفہ، طب، عمرانیات اور روحانیات جیسے موضوعات کو قصہ کے قالب ڈھال کر اس طرح پیش کیا کہ فن قصہ نگاری میں ایک مثال بن گیا۔اس نے اس فن میں جو اپنی تصنیف چھوڑی اسے "**قصة حي بن يقظان**" کے نام سے جانا جاتا ہے۔اس قصہ پر بالتفصیل گفتگو آئندہ سطروں میں کی جائے گی۔

۱.۹ : **مقامة**:

مقامہ عربی نثر کے اہم فنون میں شمار کیا جاتا ہے اس فن کی ابتدا بدیع الزماں الہمذانی (۳۵۸۔۳۹۸) کے مقامات سے ہوتی ہے اور بدیع الزماں نے قصے کے قالب ابوالفتح کے حیلوں اور چال بازیوں کا ذکر کرتا ہے کہ کس طرح سے وہ عوام الناس کے مال ومتاع کو اپنی فصاحت اور چال بازیوں سے حاصل کرتا ہے۔بدیع الزماں کے ان مقامات کی شہرت عالم عربی میں پھیل گئی اور قرطبہ بھی اچھوتا نہ رہا اور ابن بسام نے اپنی کتاب "**الذخيرة**" میں تین اندلسی مقامات کا تذکرہ کیا ہے اگر چہ ان مقامات کا موازنہ بدیع الزماں کے مقامات سے نہیں کیا جاسکتا۔

ان مقامات میں پہلا مقامہ ابوحفص عمر بن الشہید کا ہے یہ امیر المریۃ المعتصم بن صمادح کے درباری شعراء میں سے تھا اس کا یہ مقامہ ایک طرح

سے اس کا ایک سفر نامہ ہے یا سفر نامہ سے زیادہ قریب ہے جسے ادبی اسلوب میں پیش کیا اور اپنے زمانے میں ''کتابت'' کے پیشہ ورانہ ہوجانے کا رونا رویا ہے۔ ابن بسام نے صرف اس کی بعض فصول کے پیش کرنے پر اکتفا کیا ہے، ابن شہید نے ان مقامات میں موسم بہار اور مرغ کی سحر خیزی اور ایک بدوی کے گھر اور اس کے اثاثہ کا ذکر مزاحیہ اسلوب میں کیا ہے۔

ابن بسام نے دوسرے مقامہ میں امیر اشبیلیہ المعتضد کے ایک وزیر ابوالولید محمد بن عبدالعزیز کا ذکر کیا ہے۔ ابن بسام نے اس کی بعض فصول کو منتخب کیا ہے جس کی پہلی فصل میں صاحب مقامہ ماضی کی یادوں میں گم ہوجاتا اور عیش وعشرت سے بھرپور زندگی کو یاد کرتا ہے اور پھر کیسے وہ مصائب میں گھر جاتا ہے اور امیر کی طرف اس کا بلاوا آتا ہے اور وہ اس کی تعریف میں رطب اللسان ہوتا ہے اس مقامہ کو بعض ادبا نے امیر کی مدح کے رسالہ سے زیادہ مشابہ بتایا ہے۔

ابن بسام، تیسرے مقامہ میں ابو محمد بن مالک القرطبی جس میں ابن مالک امیر المریۃ المعتصم بن صمادح کی مدح میں رطب اللسان ہے جس میں امیر کی فتوحات کا تذکرہ کرتا ہے ساتھ ہی اس کی فوج اس کے اسلحے، تیر وکمان، تلوار اور گھوڑوں کا وصف بیان کرتا ہے۔

اس کے بعد مقامات میں جب محمد الحریری البصری (۴۴۶۔۵۱۶ھ/۱۰۵۴۔۱۱۱۲ء) کا دور آتا ہے جو اس فن کا مشہور ترین شہسوار سمجھا جاتا ہے، ساری عرب دنیا میں جب ان مقامات کی شہرت ہوئی تو اندلس بھی اس سے اچھوتا نہ رہا طلبا و اساتذہ میں اس کے مقامات پڑھے اور پڑھائے جانے لگے اور اس کی شرحیں لکھی گئیں۔ ابوطاہر نے محمد بن یوسف التمیمی السرقسطی نے مقامات لکھے اور جن کی تعداد پچاس ہے، جن کو **المقامات اللزومية** کے نام سے جانا جاتا ہے۔ السرقسطی کے یہ مقامات الحریری کے مقامات کی طرح مسجع اور مقفی ہیں۔

۱.۱۰ : سفر نامہ:

اندلسی قافلے ہر سال فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے مکہ کا سفر کرتے تھے اور مدینہ جا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام کی ڈالیاں نچھاور کرتے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ اہل اندلس اسلامی دنیا کے بعض دوسرے شہروں کا بھی سفر کرتے تھے اور ایشیا و یورپ کی قوموں اور شہروں کی تہذیب وثقافت سے آشنا ہوتے تھے۔ اسی طرح طوائف الملوکی کے دور میں اندلس کے حکام سفارتکاروں کو دوسرے اندلس کے امراء وحکام یا افریقہ، مصر وشام اور شمال کے نصاریٰ کے پاس بھیجتے تھے اور دن بدن یہ سفر بڑھتے گئے۔ ان اسفار کی روشنی میں بعض ادباء نے اپنی تحریریں سفر ناموں کی شکل میں چھوڑی ہیں۔ اس سلسلے میں محمد بن مسلم الدانی نے ایک رسالہ "**طي المراحل**" کے نام سے لکھا۔ ابن بسام نے بعض ایسی فصول کو منتخب کیا ہے جو محمد بن مسلم کی ادبی براعت پر غماز ہیں۔ اس میں اس نے اغلب سے دوستی اور اس سے شوق ملاقات کا اظہار کرتے ہوئے فطری مناظر، باغات اور محلوں کی بڑے دلچسپ انداز میں تصویر کشی کی ہے۔ عہد بنی امیہ کے قرطبہ اور مسجد قرطبہ کی عظمت اور اس کے محرابوں کی تصویر کشی کی ہے اور اس کے اختتام پر اشبیلیہ میں معتضد سے اس کی ملاقات اور اس کے استقبال وہدایے کا تذکرہ کیا ہے۔

اندلس کے لوگوں نے چھٹی صدی ہجری میں اسفار بکثرت کیے ان میں ایک مشہور نام ابوحامد الغرناطی (۴۷۴۔۵۶۴ھ) جس نے افریقہ صقلیہ، مصر وشام، عراق اور روس کا سفر کیا اور اپنے مشاہدات کو اپنی کتاب "**تحفة الألباب و نخبة الأعجاب**" میں قلم بند کیا۔

ان سفر ناموں کے لکھنے والوں میں محمد بن احمد بن جبیر الکنانی ہے جو کہ ابن جبیر کے نام سے مشہور ہوا، اس کی پیدائش ۵۳۹ھ بلنسیہ میں ہوئی اس نے مصر کا سفر کیا اور بحر احمر سے گزر کر جدہ ہوتے ہوئے مکہ پہنچا اور فریضہ حج ادا کیا پھر کوفہ، بغداد اور موصل جیسے شہروں کا سفر کیا اور ملک شام کا مشاہدہ کیا اور وہاں کے مشاہدات کو قلم بند کر دیا جسے بعد میں اس کے تلامذہ نے "**تذكرة بالأخبار عن اتفاقات الأسفار**" کے نام سے جمع کر دیا اور بعد میں اس کتاب کو "**رحلة ابن جبير**" کے نام سے جانا گیا۔ اس سفر نامہ کا اسلوب سہل اور سلیس ہے اس سفر نامہ میں جہاں اس نے شہروں اور ملکوں کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہے وہیں روضہ اطہر کی تصویر کشی کرتے ہوئے اپنے احساسات کا ذکر بھی کیا ہے۔

اس کے علاوہ جن لوگوں نے سفر نامے لکھے ان میں القاضی ابوالبقاء البلوی خالد بن عیسی، ابن الحاج النمیری، ابن الخطیب اور عہد بنو احمر میں

غرناطہ ہی کے علی بن محمد القرشی کا نام قابل ذکر ہے۔

۱.۱۱ : **بعض اھم تصانیف:**

جب ہم اندلس میں فنی نثر کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس فن سے متعلق مختلف کتابیں ہمیں ملتی ہیں جن کا تذکرہ اس اکائی کے مختلف صفحات میں مذکور ہے۔مگر ہم یہاں اس فن کی صرف ان مشہور تصانیف پر روشنی ڈالیں گے جن کے بغیر فنی نثر کا تذکرہ مکمل نہیں سمجھا جاتا اوران تصانیف میں ابن شہید کی تصنیف''**رسالة التوابع والذوابع**" ،ابن حزم کی "**طوق الحمامة**" اورابن طفیل کی "**قصة حي بن يقظان**" کا شمار ہوتا ہے۔براں مزید النثر التالیفی کے ضمن میں ابن عبدربہ کی تالیف "**العقد الفريد**" ہے جس کا ذکر آئندہ اکائی میں بالتفصیل ہوگا۔

۱.۱۲ : **رسالة التوابع والذوابع:**

اس کا بیشتر حصہ ابن بسام کی تصنیف "**الـذخيـرة**" کی پہلی جلد میں موجود ہے جسے بطرس البستانی نے ایک کتابی شکل دے دی اساتھ ہی ابن شہید کی زندگی پر بھی موادفراہم کردیا ہے یہ ایک ایسا خیالی قصہ ہے جس میں ابن شہید ایک ایسے عالم میں جہاں جنات رہتے ہیں،وہاں شعروادب اور تنقید کی محفلیں جمتی ہیں وہ شعروادب کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہے اور مخالفین کے اعتراضات کا جواب دے کر یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ ایک تجربہ کار ادیب ہے۔

اس کہانی کے نام کی تشریح کچھ اس طرح ہے کہ تو ابع : تابع کی جمع ہے اور اس سے یہ مراد لیا ہے کہ جن یا پری جو انسان کا ہر وقت اور ہر جگہ پیچھا کرتی ہے اور زوابع : زوبعۃ کی جمع ہے جس کا مفہوم جنوں کا سردار ہے یہ کہانی ایک فرضی شخص کے نام لکھے ہوئے سلسلہ وار خطوط کا مجموعہ ہے۔اس فرضی شخص کا نام ابوبکر ہے۔

اپنے پہلے خط میں وہ اپنا تعارف کراتے ہوئے لکھتا ہے اس کی پیدائش اور نشونما کہاں ہوئی اور اس کی تعلیم وتربیت کیسے ہوئی اور پھر وہ آگے چل کر لکھتا ہے کہ اپنی محبوبہ کی وفات پر اپنے جذبات کے اظہار کے لیے اشعار کہنا چاہتا تھا اور اس نے کچھ اشعار کہے بھی مگر بعد میں شعرگوئی کی یہ قدرت اس کی جاتی رہی،ایک دن اس کی ملاقات ایک پری سے ہوتی ہے جس نے شعرگوئی میں اس کی مدد کی اور وہ پری وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتی رہتی۔

اس رسالہ میں ایک دن اس نے اس سے قدیم شعراء وادباء کی روحوں سے ملنے کی خواہش ظاہر کی،تو وہ اسے اپنے گھوڑے پر سوار کرتی ہے اور جناتوں کی دنیا میں لے جاتی ہے جہاں اس کی ملاقات امرءالقیس،طرفہ،قیس بن الخطیم ،ابوتمام،بحتری،ابونواس اوابوطیب وغیرہ کی روحوں سے ہوتی ہے ،اسی طرح ادباء میں جاحظ اور عبدالحمید الکاتب کی روحوں سے بھی ہوتی ہے۔وہاں پر وہ اپنی ادبی تخلیقات کو پیش کرتا ہے۔اور اسے دادوتحسین ملتی ہے اور وہ عالم حیوانات اور چڑیوں کی دنیا میں پہنچتا ہے اور وہاں پر عشق ومحبت کی داستانیں اس کے گوش گزار ہوتی ہیں۔

مغرب کے ساتھ ساتھ مشرق میں بھی قصوں کی شکل میں رسالے لکھے گئے جب اہل مشرق کے ادباء پر نظر ڈالتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ ابن شہید کی طرح ابوالعلاء نے بھی "**رسـالة الـنـفـران**" لکھتے وقت ایک دوسری دنیا کو اپنے قصے کا موضوع بناتا ہے۔جیسا کہ ہم نے مذکورہ بالا سطروں میں **رسـالة التـوابـع والذوابع** کے بارے میں دیکھا کہ ابن شہید نے اپنے اس قصے میں ادبی بحثیں کی ہیں۔البتہ ابوالعلاء نے "**رسـالة الـغـفران**" میں جنت ودوزخ کو اپنا میدان بنایا ہے جب کہ ابن شہید نے عالم جنات کا اپنا موضوع بنایا ہے۔ابوالعلا نے اس رسالہ میں ادب کے ساتھ ساتھ فلسفیانہ بحثیں بھی کی ہیں جبکہ ابن شہید نے زیادہ تر ادبی مسائل پر گفتگو کی ہے۔

چونکہ دونوں ادباء باہم معاصر تھے اور ابوالعلاء کی شہرت مشرق سے مغرب تک پھیلی ہوئی تھی اس لیے یہ گمان جاتا ہے کہ ہوسکتا ہے ابن شہید ابوالعلا سے متاثر ہوکر اپنا یہ رسالہ لکھا ہو مگر محققین کی رائے میں ابن شہید نے ابوالعلاء سے متاثر ہوکر اپنا رسالہ نہیں لکھا تھا اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ

"التوابع والذوابع" نامی رسالہ' رسالة الغفران" سے ۹ سال قبل لکھا گیا اور یہ رسالہ مشرق میں ابوالعلاء کی زندگی میں پہنچ چکا تھا۔ اس کا اسلوب جاحظ کے اسلوب سے ملتا جلتا ہے تو کہیں بدیع الزماں کے اسلوب کی جھلک دکھائی دیتی ہے، اس میں ایجاز کے بجائے تفصیل و اطناب سے کام لیا گیا ہے، تکلف تو نہیں مگر سجع ہے اور اسی طرح اشعار کا استعمال ملتا ہے۔

۱.۱۳ : طوق الحمامة

اس کتاب کا پورا نام "طوق الحمامة في الألفة والألّاف" ہے ابن حزم نے اپنی اس کتاب کو تیس ابواب یا تیس خطوط میں منقسم کیا ہے کیونکہ یہ کتاب صحرانورد کے خطوط کی طرح کا ایک مجموعہ ہے جو اس نے "المرية" شہر سے لکھے گئے ان خطوط کے جواب میں لکھا ہے جن میں کا س سے فلسفہ محبت پر کچھ لکھنے کی فرمائش کی گئی تھی۔ کسی باب میں محبت کی علامتوں کے بارے میں لکھا تو کسی میں اس کے اقسام بیان کیے۔ کون سی محبت میں وفاداری کا عنصر ہوتا ہے اور کون سی دھوکا ہوتی ہے، پہلی نظر کی محبت کیسی ہوتی ہے، محبت میں انسان کس چیز کا متقاضی ہوتا ہے، محبت دشمنی میں کب تبدیل ہو جاتی ہے، محبت میں فراق محبوب کی کیا لذت ہے، وصال کا کیا لطف ہے، محبت میں اخلاص کیسے لایا جا سکتا ہے اور محبت سے متعلق بہت سارے دوسرے موضوعات پر گفتگو کی گئی ہے۔

اگر چہ یہ کتاب عشق و محبت کے عنوان سے عبارت ہے مگر ضمناً اس دور کے حالات پر روشنی بھی پڑتی ہے اس کتاب سے محلوں کے باہر جہاں شر و فساد کا ذکر ملتا ہے تو دوسری طرف محلوں کے اندر حسن و عشق کی فتنہ سامانیوں کا تذکرہ ہے۔

اس کتاب میں نثر کے پہلو بہ پہلو اس کے اشعار بھی آئے ہیں جو اس نے فلسفہ محبت کو بیان کرتے وقت جگہ جگہ لکھا ہے۔

بعض یورپی ادیبوں کے خیال میں فلسفہ محبت پر عربی یا غیر عربی میں یہ پہلی کتاب ہے مگر بعض دوسروں کے خیال میں محمد بن داوٗد الظاہری نے اس سے قبل "الزاهرة" نام کی ایک کتاب اس موضوع پر شائع کی مگر وہ اب ناپید ہے، اسی طرح "اخوان الصفا" کے رسائل عشق، ابوبکر السراج کی "مصارع العشق" اور الخرائطی کی "اعتدال القلوب"، "طوق الحمامة" سے قبل تالیف کی گئیں۔ البتہ "طوق الحمامة" کو اس موضوع کی کتابوں میں جو شہرت حاصل ہوئی وہ اس موضوع پر لکھی گئی کسی دوسری کتاب کو نہ مل سکی۔ ابن حزم ادیب ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ایسا فلسفی اور مورخ بھی تھا جس نے تقریباً ۴۰۰ تصانیف چھوڑی ہیں۔ ادب اور فلسفہ دونوں اس کتاب میں جھلکتے ہیں۔

۱.۱۴ قصة حي بن يقظان:

ابن طفیل کے اس قصہ کو اندلسی نثری ادب میں ایک خاص مقام حاصل ہے غرناطہ کے قریب وادیٔ آش میں پیدا ہونے والے اس ادیب اور فلسفی نے فلسفہ، طب اور عمرانیات وغیرہ جیسے موضوعات پر ایک ایسی تحریر پیش کی جو فن قصہ نگاری کی ایک مثال بن گئی۔

قصہ یہ ہے کہ ایک بن باپ کا بچہ کسی سنسان جزیرہ میں پیدا ہوتا ہے یا قریب کے جزیرے کی کوئی شہزادی اسے سمندر میں ڈال دیتی ہے اور پانی کی ایک رو اسے اس جزیرے میں پہنچا دیتی ہے ایک ہرنی اس بچے کو دودھ پلاتی ہے اور اس کی پہلی معلم بنتی ہے جب بچہ کچھ بڑا ہوتا ہے تو دیکھتا ہے کہ جن حیوانوں سے اس کا سابقہ ہے ان کے مقابلے میں وہ غیر مسلح ہے، ایک چھڑی کو ہتھیار کے طور پر استعمال کرتا ہے اور بدن کو ڈھکنے کے لیے پتوں کا استعمال کرتا ہے، آہستہ آہستہ ہرنی بوڑھی ہو جاتی ہے اور اس کی کمزوری کو دیکھ کر وہ دل برداشتہ ہوتا ہے اور اس ضعف کی علت جاننا چاہتا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے وہ خود اپنی ذات کا مطالعہ کرتا ہے اور اسے اپنے حواس کا ادراک ہوتا ہے اور وہ خرابی کی تشخیص اس کے سینے میں کرتا ہے اور اس کا علاج نوکدار پتھروں سے جراحت کے ذریعے کرتا ہے۔ جہاں اسے دل اور پھیپھڑوں کا علم ہوتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس کو ایک ایسی غیر مرئی چیز کا تصور بھی اس کے ذہن میں آتا ہے جو نکل چکی ہے اور اسی پر اس کے جسم کا دارومدار تھا۔

آگے چل کر اسے آگ کے بارے میں معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس نے سوکھی ٹہنیوں کی رگڑ سے آگ لگتے دیکھا تھا، اس آگ کو وہ اپنے مسکن میں لاتا ہے اور برابر جلائے رکھتا ہے۔ یہیں سے اس کے دل میں مرئی آتش اور حیوانی حرارت پر غور کرنے کی تحریک پیدا ہوتی ہے اور دوسرے جانوروں کی چیر پھاڑ شروع کر دیتا ہے اور وہ ان جانوروں کی کھالوں کو لباس بنالیتا ہے ابابیلیں اسے سکھاتی ہیں کہ مکان کیسے بنایا جاتا ہے اون اور سن کے کاتنے کا ہنر آجاتا ہے اور شکاری پرندوں کو سدھاتا ہے کہ اس کے لیے شکار کریں۔

حی بن یقظان کا علم روز بروز بڑھتا جاتا ہے اور بالآخر فلسفے کی صورت اختیار کر لیتا ہے جب وہ تمام نباتات، معدنیات اور ان کے خواص اور حیوانات کے اعضاء جسمانی کے استعمال کا مطالعہ کر لیتا ہے تو انھیں اصناف وانواع میں مرتب کرتا ہے چنانچہ اجسام کو ثقیل اور خفیف میں تقسیم کرتا ہے پھر روح حیات کی طرف لوٹ آتا ہے جس کا مقام اس نے قلب میں معین کر رکھا تھا۔ آگے چل کر وہ عناصر اربعہ کی شناخت کر لیتا ہے، زمین کا معائنہ کرتے وقت مادے کا تصور اس کے ذہن میں ابھرتا ہے اور یہ دیکھ کر کہ پانی بھاپ بن جاتا ہے اسے تحول کی صورت کا انکشاف ہوتا ہے اور بالآخر اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ ہر نئی تخلیق کے لیے کوئی ایسی علت ضرورت ہے جو اسے پیدا کرے اس طرح اس کے ذہن میں خالق مطلق کا خیال آجاتا ہے، اس کی جستجو پہلے وہ مخلوقات میں کرتا ہے اور عناصر کو تغیر اور فانی پاتا ہے اور اپنا ذہن اجرام سماوی کی طرف منعطف کر دیتا ہے۔

حی کی عمر اٹھائیس برس ہو جاتی ہے اور آسمان کے بارے میں غور فکر کرتا ہے اور وہ دیکھتا ہے کہ چاند اور سیاروں کے لیے مخصوص افلاک کی ضرورت ہے اور اس کے ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ خالق کل کے لیے ضروری ہے کہ جسم نہ ہو اور اسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خالق کل اپنے ارادے میں مختار ہے، دانا ہے، عالم ہے، رحیم ہے وغیرہ وغیرہ۔ اب اپنی توجہ خود اپنے نفس کی طرف کرتا ہے اور اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ حصول سعادت کے لیے اسے چاہیے کہ اس ہستی کے بارے میں غور وفکر کرے جو کامل اور مکمل ہے اور زاہدانہ اخلاق کی طرف مائل ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ الہامی مذہب کا سچا پیرو کار اس جزیرہ تک پہنچتا ہے جب یہ دونوں ایک دوسرے کی بات سمجھنے لگتے ہیں تو اس قصے میں یہ بتایا گیا ہے کہ درحقیقت الہامی مذہب وہی فلسفیانہ عقیدہ ہے جس تک حی پہنچ چکا ہے۔

اسال حی کو ترغیب دیتا ہے کہ وہ اس کے ساتھ قریب کے ایک جزیرے میں چلے جہاں سلامان نامی ایک بادشاہ ہے جس کا اسال دوست اور وزیر ہے تاکہ اس کے سامنے اپنا فلسفہ پیش کرے۔ مگر یہ فلسفہ کسی کو سمجھ میں نہیں آتا اور دونوں غیر آباد جزریرے میں واپس چلے آتے ہیں تاکہ اپنی باقی زندگی خالص غور وفکر کے لیے وقف کر دیں۔

ابن طفیل ایک فلسفی، طبیب اور ادیب تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس قصہ میں فلسفہ، طب اور ادب تینوں دکھائی دیتا ہے۔

۱.۱۵ : بعض اہم نثر نگار:

گزشتہ صفحات میں اندلس کی نثر نگاری پر کافی کچھ لکھا گیا ہے جس میں نثر فنی کے مختلف اصناف پر گفتگو کی گئی ہے ان اصناف کے ضمن میں خطابت، مکالماتی ادب، رسائل، قصہ، مقامہ اور سفرناموں کے ساتھ ساتھ ان اصناف کے ادباء کا ذکر کیا گیا ہے، ان ادباء میں سے کچھ بہت مشہور ہوئے جیسے ابن شہید، ابن ابرالاصغر، ابن حزم، ابن زیدون، ابن طفیل اور لسان الدین بن الخطیب کے نام قابل ذکر ہیں آئندہ صفحات میں ان ادباء کی زندگی اور ان کی تصانیف پر گفتگو کی جائے گی۔

۱.۱۶ : ابن شہید:

ابو عامر احمد بن عبدالملک بن احمد بن عبدالملک بن شہید الاشجعی القرطبی کی پیدائش ۳۸۲ھ میں قرطبہ میں ایک عربی النسل خاندان میں ہوئی۔ اس کے اجداد میں عبدالملک بن شہید امیر محمد کا وزیر تھا۔ اسی طرح عبدالملک کا لڑکا احمد اور احمد کا لڑکا عبدالملک مختلف امراء کے وزیر رہے۔

اس طرح ابن شہید کی پرورش عیش وعشرت کے ماحول میں ہوئی۔ بچپن سے ہی اسے ادب سے ایک خاص شغف تھا۔ مگر جب قرطبہ میں خونریزی وغارت گری ہوئی اور فتنہ کی آگ بھڑکی جو بالآخر اموی سلطنت کے زوال کا باعث بنی تو ان حالات سے ابن شہید کافی متاثر ہوا۔

ابو عامر بن شہید اپنی بلاغت سے جانا جاتا ہے جس نے ہزلیہ اور سنجیدہ دونوں طرح کی شاعری کی ڈاکٹر شوقی ضعف نے اس کے بارے میں کہا کہ اگر وہ ایک طرف بڑا شاعر تھا تو دوسری طرف ایک عظیم نثر نگار بھی تھا بلکہ یہ بھی کہا کہ اس کی نثر نگاری اس کی شعر گوئی پر فائق تھی۔

ابن شہید کو فالج کی شکایت ہوئی اور جمادی الاولیٰ ۴۲۶ھ میں قرطبہ میں انتقال ہوا۔ ابن خاقان نے اسے بلاغت کے اقسام اور اس کے معانی کا عالم قرار دیا۔

ابن بسام اور دیگر اہل ادب اگر اس کے اشعار اور رسائل کو محفوظ نہ کرتے تو اس کا ادبی سرمایہ ہم تک نہ پہنچتا۔ خاص طور سے ابن بسام اگر اس کے ادبی رسائل کو محفوظ نہ کرتا تو اندلسی نثر کا ایک اہم حصہ ضائع ہو جاتا۔ انھیں رسائل میں سے اس کا ایک رسالہ **"التوابع والذوابع"** ہے۔

ابن بسام نے اس رسالہ کو مکمل نہیں بلکہ اس کی بعض فصلوں کو نقل کیا ہے اس رسالہ پر تفصیلی گفتگو گزشتہ سطور میں ہو چکی ہے۔

ابو العلاء کا تحریر کردہ **"رسالة الغفران"** اور ابن شہید کا رسالہ **"التوابع والذوابع"** میں اسلوب، کردار اور انداز کے اعتبار سے قدرے مشابہت پائی جاتی ہے۔ دونوں میں اپنے اپنے انداز میں ایک دوسرے عالم کو میدان بنایا جو انسانی دنیا سے مختلف ہے۔ ان دونوں ادیبوں نے قدماء سے ملاقات کی صورت میں ادبی بحثیں کی ہیں۔ ہاں البتہ اتنا ضرور ہے کہ ابو العلاء نے آخرت کے بعد جنت دوزخ کو اپنا میدان بنایا ہے جب کہ ابن شہید نے عالم جنات کو اپنے لیے منتخب کیا ہے، دوسرا ایک اہم فرق یہ ہے کہ ابو العلاء نے فلسفیانہ مسائل اور دینی موضوعات موضوع بحث بنایا ہے تو ابن شہید نے زیادہ تر ادبی امور پر گفتگو کی ہے۔

چونکہ دونوں باہم معاصر تھے اس لیے ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کون کس سے متاثر ہوا تو اس سلسلے میں بعض کا خیال یہ ہے کہ ابو العلاء کی شہرت مشرق سے مغرب تک پھیلی ہوئی تھی اور ابن شہید مشرق میں اتنا مشہور نہیں ہوا اگر چہ مغرب میں اسے ایک خاص مقام حاصل تھا اس بنا پر ابن شہید ابو العلاء المعری سے متاثر ہوا ہوگا۔ مگر ناقدین کی تحقیق یہ بتاتی ہے کہ ابن شہید ابو العلاء سے متاثر نہیں ہوا کیونکہ ابن شہید کا یہ رسالہ ابو العلاء کے رسالے سے ۹ سال قبل تالیف ہوا اور ابو العلاء کی زندگی میں مشرق پہنچ چکا تھا۔

۱.۱۷ : ابن برد الأصغر:

ابو حفص محمد بن احمد بن برد جو کہ **ابن برد الأکبر** کا پوتا تھا اندلس کے بڑے ادباء میں اس کا شمار ہوتا ہے اور اس کی پرورش بھی ایک ایسے ادبی گھرانے میں ہوئی تھی جس نے سلطنت کے انتظامی امور کے ساتھ ساتھ قلمی خدمات بھی انجام دی تھیں۔ اندلس چوتھی صدی ہجری میں سیاسی اور ثقافتی اعتبار سے اپنے اوج پر تھا۔ اس میں الناصر اور المنتصر کے بعد المنصور بن ابو عامر نے کافی اہم کردار نبھایا اور قرطبہ ایک طرح سے بغداد کا ہم پلہ نظر آنے لگا اور قرطبہ سے علم وادب کی وہ کرنیں بکھریں جس کی مثال عربی دنیا میں بہت کم ملتی ہے۔ اس کی تاریخ پیدائش کے سلسلے حتمی اور قطعی طور پر کچھ کہہ پانا مشکل ہے کیونکہ قدیم مصادر میں اس کی تاریخ ولادت کا ذکر نہیں ہے مگر چونکہ ابن برد الاکبر کی وفات ۴۱۴ھ یا ۴۱۸ھ بتائی جاتی ہے اور ابن برد الاصغر نے اپنے دادا ابن برد الاکبر سے تعلیم حاصل کی ہے اس اعتبار سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کی پیدائش پانچویں صدی ہجری کے اوائل میں ہوئی ہوگی۔

ابن برد کی پرورش وزراء اور کاتبین کے بچوں کی طرح عیش وعشرت میں ہوئی اور ابن شہید کی وفات تک جو کہ ۴۲۶ھ میں ہوئی وہ قرطبہ میں رہا۔ پھر وہاں سے امیر دانیہ مجاهد الصقلی کے پاس چلا گیا اور اپنا مشہور رسالہ **"السیف والقلم"** تحریر کیا۔

ابن برد الأصغر کی تربیت میں اس کے دادا ابن برد الاکبر نے اہم رول ادا کیا۔ المنصور بن ابو عامر اور پھر اس کے بعد المنصور کے دونوں بیٹوں المظفر، الناصر اور بعض دوسرے امراء کے دربار میں کاتب کی حیثیت سے کام کیا اور بنو برد بنو شہید کے موالی میں سے تھے اور ابن برد اور ابن شہید کے

درمیان دوستی اور مابین محبت تھی اور جب المستظہر الاموی نے ۴۱۴ھ میں ابن شہید کو وزیر بنایا تو ابن برد نے اس کے لیے کاتب کے فرائض انجام دیے اور غالب گمان یہی ہے کہ یہ ابن الاکبر نہیں بلکہ ابن بردالأ صغر ہی رہا ہوگا اور طوائف الملوکی کے دور میں **"المرية"** کے امیر معن بن صمادح نے اسے اپنا وزیر بنایا۔

جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ اندلس کے اکثر نثر نگار شاعر بھی تھے ابن بردالأ صغر کا نام بھی انھیں ادبا میں شمار ہوتا ہے ابن بسام متوفی ۵۲۴ھ نے اپنی کتاب **"الذخيرة فى محاسن أهل الجزيرة"** میں اس نے سب سے پہلے اس کے کچھ اشعار کو جمع کیا پھر اس کے بعد بعض دوسرے مصادر میں اس کے مزید اشعار جمع کیے گئے۔

جہاں تک نثری ادب کی بات ہے تو ابن بردالاصغر نے شاعری کے ساتھ ساتھ نثری ادب میں بھی اپنے نقوش چھوڑے جیسا کہ اس کا ایک مشہور

رسالہ **"السيف والقلم"** کا ہم نے ذکر کیا۔ یہ رسالہ سیف وقلم کا ایک مناظرہ ہے۔ اس کے علاوہ اس کی دوسری کتاب **"سر الأدب سبك الذهب"** ہے جس میں اس نے اپنے دادا اور اپنے اوپر ان کی خاص توجہ کا ذکر کیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ معن بن صمادح کی تعریف کی ہے اور یہ بتایا ہے کہ یہ امیر علوم و فنون کا دلدادہ ہے اور اپنے اوپر اس کی نوازشوں کا بھی ذکر کیا ہے۔

ابن بردالأ صغر کے رسالوں میں **"رسالة النخلة"** اور **"رسالة أهب الشاء"** بھی ہے۔ **رسالة النخلة** ایک ایسا رسالہ ہے جس میں ایک خاص اندلسی عمدہ کھجور جس کو ایک دوست نے اس سے چھپایا اس پر اس کی اظہار ناراضگی ہے اور اس کی طرف پھر اس کا جواب ہے اور وہ دوست کہتا ہے کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تمھیں اس قدر پسند ہے تو اس کا ضرور میں خیال رکھتا۔ اور **رسالة أهب الشاء** جس کا پورا نام ابن برد نے **"البديعة فى تفضيل أهب (جلود) الشاء على ما يفترش من الوطاء"** رکھا اور اس میں اس نے ان لوگوں کو جواب دیا ہے جنھوں نے اسے عمدہ قالینوں کے بجائے بکری کی کھال کو بچھونے کے طور پر استعمال کرنے پر ملامت کی ہے جیسا کہ وہ اس رسالے کی ابتدا اللہ تعالیٰ سے رشد و ہدایت کی طلب، تواضع کی برکت کی معرفت اور کبر و گھمنڈ سے نفرت کی، اپنے لیے دعا کرتا ہے۔

اور ابن برد نے اپنی زندگی کے آخری ایام بھی اسی امیر کے زیر سایہ گزارا اور تاریخ کی کتابوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ المرية میں ۴۴۰ھ کے بعد بھی دیکھا جاتا رہا لیکن یہ حتمی نہیں ہے کہ اس نے المعتصم بن معن بن صمادح (۴۴۳۔۴۸۴ھ) کا زمانہ کم یا زیادہ پایا یا نہیں۔

۱.۱۸ : ابن حزم:

ابو محمد علی بن احمد بن سعید جو ابن حزم کے نام سے مشہور ہوا اس کی پیدائش رمضان کے آخری دن ۳۸۴ھ مطابق ۷/نومبر ۹۹۴ء میں قرطبہ میں ہوئی۔ ابن حزم کا خاندان دریائے اودیل Odiel سے کچھ فاصلے پر منت لیشم موضع میں رہتا تھا۔ اس کے پردادا نے عیسائیت چھوڑ کر اسلام قبول کر لیا تھا، والد منصور الحاجب اور اس کے بیٹے مظفر کا وزیر تھا۔ ایک اعلیٰ عہدیدار کے فرزند کی حیثیت سے قدرتی طور پر ابن حزم نے بڑی اعلیٰ تعلیم پائی۔ ابن حزم نے عبدالرحمٰن بن محمد بن ابی یزدالازدی سے مختلف علوم کو حاصل کیا۔

بنو عامر کا تختہ جس انقلاب نے الٹ دیا اس نے باپ بیٹے دونوں کو متاثر کیا چنانچہ ہشام الثانی جب دوبارہ تخت نشین ہوا تو ان دونوں کو بہت سے مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ اپنے والد کے انتقال کے بعد قرطبہ چھوڑ کر المرية میں اقامت پذیر ہوا۔ پھر بلنسية کا رخ کیا اور غرناطہ ہوتے ہوئے القاسم بن حمود کے دور میں پھر قرطبہ آ گیا۔ اس کے بعد ابن حزم کو عبدالرحمٰن الخامس المستظہر نے وزیر منتخب کیا اور اس بادشاہ کے قتل ہونے کے بعد ابن حزم کو قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنی پڑیں۔ ابن حزم اپنی زندگی کے آخری ایام میں سیاست سے کنارہ کش ہو کر تصنیف و تالیف کی طرف مائل ہو گیا۔

ابن حزم کی ابتدائی تصانیف میں **"طوق الحمامة فى الألفة والألاف"** جس پر تفصیلی بحث گزشتہ سطروں میں ہم کر چکے ہیں۔ یہ رسالہ عشق اور اس کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالتا ہے ابن حزم نے علم نفس کے بعض نظریات کی وضاحت چھوٹے چھوٹے قصوں کے ذریعے کیا اس کی قوت

مشاہدہ بہت تیز تھی اور انشا پرداز کے ساتھ دلکش شاعر بھی تھا۔

ابن حزم کی تاریخی تصنیفات میں سے "**نقط العروس فی تواریخ الخلفاء**" اور "**جمهرة الأنساب**" کے نام قابل ذکر ہیں۔

پہلے وہ شافعی مسلک سے تعلق رکھتا تھا مگر بعد میں ظاہری فرقے سے جاملا اور اس کی طرف داری کرنے لگا اس کے ظاہری فرقہ سے تعلق کے بارے میں کہا جاتا ہے وہ اپنے ایک ظاہری استاد سے متاثر ہوا تھا۔

ابن حزم نے اپنی ایک تصنیف "**المحلى بالآثار في شرح المجلى بالاقتصار**" میں ظاہری اصول فقہ کو پیش کیا اور اپنی دوسری تصنیف "**كتاب الفصل في الملل والأهواء والنحل**" میں خاص طور سے شاعرہ اور ان کے خیالات پر تنقید کی۔ اس نے امام ابوحنیفہ اور امام مالک کی تنقید کی۔ ایک مشہور ضرب المثل کے مطابق ابن حزم کا قلم ایسا ہی تیز تھا جیسے حجاج کی تلوار منطق کی بحث میں ابن حزم نے ایک کتاب "**التقريب في حدود المنطق**" تصنیف کی تھی جو غالباً ضائع ہوگئی۔

علم اخلاق میں ابن حزم کا ایک رسالہ "**كتاب الأخلاق والسير في مداوة النفوس**" ہے اور اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو معیار اخلاق ٹھہرایا اور بالآخر منت لیشم جا کر اپنی خاندانی جاگیر میں عزلت گزیں ہوگیا۔ اس گوشہ نشینی میں بھی ابن حزم نے لکھنے پڑھنے کا کام جاری رکھا۔ اس کے بیٹے ابورافع کے مطابق اس کی کل تصنیف کی تعداد چار سو تھیں اور ۸۰ ہزار صفحات پر مشتمل تھیں۔ مؤرخ الحمیدی بھی اس کے شاگردوں میں ہے۔

ابن حزم کا انتقال اپنے گاؤں میں ۲۸ شعبان ۴۵۶ھ/ ۱۰ راگست ۱۰۶۴ء میں ہوا اور اس کی وفات کے بعد خاص طور سے ایسی کتابیں لکھیں گئیں جن میں اس کی تعلیمات پر شدید نکتہ چینی کی گئی اور مالکی فقہا ابن حزم کی تردید کے میدان میں اتر آئے۔ ابن زرقون نے اس کی کتاب "**المحلى**" کے جواب میں کتاب "**المعلى**" تصنیف کی۔

اس کی مشہور تصیف "**طوق الحمامة**" کا انگریزی، فرانسیسی، روسی اور جرمن زبانوں میں ترجمہ ہوا اور وہ اپنی اس کتاب سے عربی ادب میں معروف ومشہور ہوا۔

ابن حزم کے رسائل کے اسلوب کو ہم تین قسموں میں تقسیم کر سکتے ہیں پہلی قسم کے تحت ابن حزم کے وہ رسائل ہیں جن میں اس نے اندلس کے فضائل کو بیان کیا ہے ان رسائل میں اس نے سہل اور تعقید لفظی سے خالی اسلوب اپنایا ہے اور منطقی نہج اپناتے ہوئے ایک نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کی ہے۔

اس طرح دوسری قسم ابن حزم کے وہ رسائل ہیں جن میں اس نے علماء اندلس اور اپنے معاصرین کا ذکر کیا ہے اور تفسیر، حدیث، فقہ، علم الکلام اور تاریخ پر گفتگو کی ہے ان رسائل کے اسلوب میں تزئین سے کام لیا ہے۔ ان رسائل کی تیسری قسم ایک طرح سے اندلس کے بڑے اہل علم اور مشرق کے بڑے اہل علم کے مابین موازنہ پر مبنی ہے جن میں تزئین سے کام نہیں لیا گیا ہے۔

۱.۱۹ : ابن زیدون:

ابوالولید احمد بن عبداللہ بن احمد بن غالب بن زیدون کی پیدائش قرطبہ میں ۳۹۴ بمطابق ۱۰۰۳ء میں ہوئی، ابن زیدون کا شمار جہاں اسلامی اندلس کے مشہورترین شعرا میں ہوتا ہے وہیں ایک نثر نگار کی حیثیت سے بھی جانا جاتا ہے وہ عرب امراء اشبیلیہ کا وزیر بھی رہا۔ والدین کے ظل عاطفت سے بچپن ہی میں محروم ہوگیا۔ مگر اس کے باوجود اس کے لیے بہترین اساتذہ کا نظم ہوا اور اپنے ہم عمروں میں ممتاز ونمایاں ہوگیا، بیس برس کی عمر میں شعر کہنے لگا اور اسے مغرب کا بحتری کہا جانے لگا۔

اموی مدعیان سلطنت کی خانہ اور اہل قرطبہ کی بربر حکمرانوں کو اپنے شہر سے بے دخل کرنے کی کوشش کی وجہ سے ابن زیدون بھی سیاست میں الجھ گیا۔ خاندانی اقتدار اور بلند ہمتی کی وجہ سے اس نے سیاست میں حصہ لیا اور بربر حکمرانوں کے واپس چلے جانے کے بعد وہ قرطبہ کی حکمراں جماعت کے

سردار ابوالحزم ابن جہور کے حاشیہ نشینوں میں نظر آنے لگا۔

شاہی خاندان کی ایک شاعرہ ولادۃ سے اس کا والہانہ عشق اس کے اور اس کے ایک زبردست رقیب ابوالحزم ابن جہور کے وزیر عبدوس کے باہمی تصادم کا سبب بن گیا۔ ابن زیدون نے اپنے رقیب کے خلاف تہدید آمیز اشعار کہے اور ایک خط میں جو مشہور ہو گیا ہے اس کا مذاق اڑایا۔ جواباً ابن عبدوس نے اس پر کھلم کھلا یہ الزام لگایا کہ وہ بنو امیہ کو پھر برسر اقتدار لانے کے لیے کام کرتا رہا ہے چنانچہ اس کا قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنی پڑیں، قید خانے سے اس نے ولادۃ کے نام کئی رقت آمیز نظمیں لکھیں اور اس کے ایک دوست کو اسے رہا کرانے میں کامیابی حاصل ہوئی۔

ایک غیر ارادی جلاوطنی کے بعد جس کے درمیان وہ برابر اپنی محبوبہ کی مذمت کرتا رہا ابن زیدون، ابوالحزم ابن جہور کی وفات پر قرطبہ واپس آ گیا اور ابوالحزم کے بیٹے اور جانشین ابوالولید سے وابستہ ہو گیا اور قرطبہ کے گرد و نواح میں کئی مسلمان حکومتوں میں اس کے سفیر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ لیکن اس کی جاہ پسندی اس کی تنزلی کا باعث بن گئی۔ چنانچہ پھر وہ معرض عتاب میں آ گیا اور قرطبہ چھوڑنا پڑا۔

اس کی ادبی حیثیت، ماضی میں سفارتی خدمات کی وجہ سے اس کی رسائی اشبیلیہ کے امیر المعتضد کے دربار میں ہوگئی، ابتدا میں وہ اس حکمراں کا محض سکریٹری مقرر ہوا مگر بعد میں اس کا وزیر اعلیٰ بن گیا، المعتضد کی وفات کے بعد اس کے بیٹے اور جانشین نے اس کو اسی عہدے پر بحال رکھا اور قرطبہ فتح کرنے میں اس سے کام لیا، لیکن ابن زیدون کی ہردل عزیزی کی وجہ سے دربار شاہی کے بہت سے لوگ خصوصاً ابن عمار جو کہ المعتمد کا منظور نظر شاعر بھی تھا، حسد کرنے لگے، اور وہ لوگ ابن زیدون کو امن بحال کرانے کے نام پر اشبیلیہ بھجوانے میں کامیاب ہو گئے اور وہیں اس کے اہل خانہ بھی پہنچ گئے اور ۱۵/رجب ۴۶۳ھ/ ۱۸/اپریل ۱۰۷۱ء کو انتقال ہو گیا اور وہیں اشبیلیہ میں تدفین ہوئی۔

ابن زیدون شاعر کے ساتھ ساتھ ایک ممتاز انشاء پرداز بھی تھا اور اپنی انشاء پردازی سے عربی ادب میں شہرت حاصل کی اس کے مشہور رسائل میں: **الرسالة الهزلية** " یہ رسالہ ابن عبدوس کے نام ہے اور عربی علم لغت کے اعتبار سے بڑی قدر و قیمت کا حامل ہے اور دوسرا رسالۃ "**الرسالة الجدية**" جو اس نے ابن جہور کے نام سے لکھا یہ رسالہ بھی عربی ادب میں بڑی قدر و قیمت کی نظر سے دیکھا ہے۔

۱.۲۰ : **ابن طفیل**:

ابوبکر محمد بن عبدالملک بن محمد بن محمد بن طفیل القیسی کی پیدائش ۴۹۴/۱۱۰۰-۱۱۰۱ کے قریب وادی آش میں ہوئی یہ وادی غرناطہ سے تقریباً ۷۰ کلو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے، ابن طفیل اسلامی اندلس کا نامور فلسفی ہے جسے ابوجعفر الاندلسی القرطبی الاشبیلی کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ شوقی ضیف نے اس کی زندگی ۵۰۶ سے ۵۸۱ھ کے مابین بتائی ہے۔

ابن طفیل کے خاندان اور تعلیم و تربیت کے بارے میں زیادہ معلومات حاصل نہیں۔ وہ طبیب بھی تھا اور غرناطہ میں طبابت بھی کرتا تھا۔ پھر وہ والی صوبہ کا کاتب بنا اور یہی خدمات اس نے والی طنجہ اور سبتہ کے یہاں بھی انجام دیں پھر الموحد تاجدار ابو یعقوب یوسف اول کا طبیب مقرر ہوا یہ وہ منصب ہے جو اس کے بعد اس کے دوست ابن رشد کو ملا، ابن طفیل کو ابو یعقوب کے یہاں بڑا اثر و رسوخ حاصل تھا اس نے متعدد علماء کو دربار میں بلایا، ابن طفیل ہی نے ابو یعقوب کی تحریک پر ابن رشد کو مشورہ دیا کہ ارسطو کی تصانیف پر حواشی لکھے جب ابو یعقوب کا انتقال ہوا تو اس کے بیٹے اور جانشین ابو یوسف یعقوب نے بھی ابن طفیل سے دوستانہ مراسم قائم رکھے، ابن طفیل نے مراکش میں وفات پائی۔

ابن طفیل کا ایک مشہور رسالہ جسے "**حي بن يقظان**" کے نام سے جانا جاتا ہے جس میں اس نے فلسفیانہ خیالات کو ایک داستان کی شکل میں پیش کیا ہے۔ علاوہ ازیں دو رسالے طب میں بھی اس سے منسوب ہیں۔ ارسطو کی شروح اور الکلیات کی تصنیف میں اس سے مشورہ لیا اور ابن طفیل ہی کے اشارے پر اس کے شاگرد **البطروجی** نے ہم مرکز دائروں کے بطلی موسی نظریے کی ترمیم کی۔ چھٹی صدی ہجری کے اواخر میں ابن طفیل کا انتقال ہوا۔

ابن طفیل نے اس قصے میں متصوفین کی بھی تصویر کشی کی ہے اس قصے کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کا ترجمہ لاطینی اور مختلف

یورپی زبانوں میں کیا گیا۔اور پوکوک کا لاطینی ترجمہ اس کتاب کا قدیم ترجمہ سمجھا جاتا ہے، یہ ترجمہ ۱۶۷۱ء میں ہوا۔اسی طرح سے انگریزی میں اس کا ترجمہ ۱۷۰۸ء میں ہوا۔

اس کتاب کا جرمن زبان مین ان جھو ورن نے ۱۷۸۲ء میں اور پونس بوتجس نے ۱۹۰۰ء میں اسپینش اور بتروف نے ۱۹۴۸ء میں روسی زبان میں کیا اور لیون نے ۱۹۰۰ء میں فرانسیسی زبان میں اس کا ترجمہ کیا۔اس طرح سے مختلف زبانوں میں اس کتاب کے ترجمے سے اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے اور ابن طفیل کی ان فلسفیانہ بحثوں کی وجہ سے اسے اندلسی فلاسفہ میں شمار کیا جاتا ہے۔

۱.۲۱ : لسان الدین بن الخطیب:

ابوعبداللہ بن عبداللہ بن سعید بن عبداللہ بن سعید بن علی السلمانی کی پیدائش ۲۵ ؍رجب ۷۱۳ھ بمطابق ۱۰؍نومبر ۱۳۱۳ء میں لوشہ میں ایک ایسے خاندان میں ہوئی جو شام سے ہجرت کر کے قرطبہ،طلیطلہ،لوشہ اور غرناطہ کی طرف چلا گیا۔ یہ خاندان پہلے بنو وزیر کے نام سے موسوم تھا لیکن سعید بن علی الخطیب کے نام پر بنو الخطیب بھی کہلاتا تھا۔

لسان الدین کے ایام شباب غرناطہ میں گزرے، جہاں اس کے والد بنونصر کا درباری منصب دار تھے، اپنے والد کے انتقال کے بعد اس نے فاضل وزیر ابوالحسن علی بن الجیاب کی ملازمت کے ساتھ ساتھ اس کی شاگردی اختیار کرلی۔ابوالحسن کا ۱۳۴۹ء میں انتقال ہوگیا اور لسان الدین کو اس کی جگہ وزیر بنا دیا گیا۔۱۳۶۰ء میں محمد خامس کی معزولی کے بعد اسے غرناطہ میں قید کردیا گیا۔اور پھر مراکش میں جلاوطن رہا۔

ابن الخطیب نے ۱۳۶۲ء تک سلا میں گوشہ نشینی کی زندگی گزاری مگر جب محمد خامس دوبارہ تخت نشین ہوا تو وزیر بن کر غرناطہ واپس چلا آیا۔لیکن بعد میں ۱۳۷۱ء میں سبتہ اور تلمسان چلا گیا اور بالآخر ۷۷۶ھ/۱۳۷۴ء میں اس کا گلا گھونٹ کر قتل کر دیا گیا۔

ابن الخطیب کی تاریخ، جغرافیہ، شعروسخن، ادب، فلسفہ، تصوف اور طب کے موضوع پر تقریباً ۶۰ کتابیں تھیں جن میں سے ایک تہائی ہی ہم تک پہنچ سکی ہیں، اس کی سب سے اہم تصنیف "**الإحاطة فی تاریخ غرناطة**" ہے اس کتاب میں تاریخ علماء غرناطہ کے تراجم زیادہ ہیں اس کی تاریخی تصانیف میں "**الحلل المرقومة**" اور "**اللمحة البدریة فی الدولة النصریة**"، ابن الخطیب کی ایک اور کتاب جس کا نام "**أعمال الأعلام فی من بویع قبل الاحتلام من ملوك الاسلام وما یتعلق بذلك من الكلام**" بھی ہے۔

ابن الخطیب کو "**أکبر کتاب غرناطة والأندلس فی از منتها الأخیرة**" کی حیثیت سے جانا جاتا ہے۔اس نے آٹھویں صدی ہجری میں بنوالاحمر کے سلطان ابوالحجاج کی مدح کی اور وہ بہت خوش ہوا اور اسے اپنے دربار سے ملحق کرلیا اور بعد میں سلطان نے اس کو سرکاری کاتبوں کا صدر بنا دیا۔ابن الخطیب نے زیادہ تر رسالے ابوالحجاج اور اس کے بیٹے کے بارے میں تصنیف کیے ہیں۔

۱.۲۲ : خلاصہ:

اندلس میں نثر نگاری کا ارتقاء شعرگوئی سے کم نہیں بلکہ اس کے شانہ بشانہ ہوا اور زمانہ کے ساتھ ساتھ رسائل دیوانیہ کی کثرت جن کے کاتبین میں البزلیانی، ابومحمد بن عبدالبر، ابن القصیرۃ، ابن ابوالخصال اور ابن الخطیب کا نام قابل ذکر ہے اسی طرح شخصی رسائل بھی بکثرت لکھے گئے جن میں حبیب ابن الدباغ، ابن طاہر اور ابن الجد کو شہرت کی بلندیاں ملیں اور ادبی رسائل جن میں ابن شہید کے "**رسالة التوابع والذوابع**" کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ابن شہید نے بعض جدید افکار کے ساتھ بدیع الزماں کے ایک مقامہ سے استفادہ کرتے ہوئے اس کو لکھا ہے ابن برد کے ادبی رسائل اور ابن زیدون کے **الرسالة الهزلیة** اور **الرسالة الجدیة** جس میں **الرسالة الهزلیة** کو لکھنے میں ابن زیدون نے جاحظ کے رسالہ "**التربیع و التدویر**" سے استفادہ کرتے ہوئے بعض ردوبدل کے ساتھ لکھا ہے، اس کے ساتھ ساتھ رسائل نبویہ لکھنے والوں میں ابن الجنان نے شہرت پائی۔

جب ہم اندلس میں مختلف النوع اصناف نثر کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہماری نظر ابن حزم کی "طوق الحمامة" پر پڑتی ہے جس میں محبت اور اس کے مختلف موضوعات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔اسی طرح ابن طفیل کی تصنیف "حي بن يقظان" اندلس کے نثری ادب میں اپنا ایک مقام رکھتی ہے اس تصنیف کے اثرات اسپنش ادب تک پہنچے اور قصہ موریسکیہ اسی تصنیف سے استفادہ کر کے لکھا گیا ہے۔

اندلس میں نثری اصناف میں مقامہ بھی لکھے گئے جس میں بعض نے الحریری کے اسلوب اور بیان سے استفادہ کیا اس صنف میں السرقسطی کے ''المقامات اللزومية" بہت مشہور ہوئے۔

اسی طرح اندلس میں لکھے گئے سفرناموں میں ابوحامد الغرناطی اور ابن جبیر کے سفرناموں کو اندلسی نثری ادب میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔

۱.۲۳ : نمونے کے امتحانی سوالات:

مندرجہ ذیل سوالوں کے جوابات تیس سطروں میں لکھیے۔

۱۔ اندلس میں نثر فنی کے ارتقاء پر روشنی دالیے۔

۲۔ اندلس کی نثر نگاری کے کن اصناف پر ادباء نے توجہ دی؟ وضاحت کیجیے۔

۳۔ "رسالة التوابع والذوابع" پر بالتفصیل لکھیے۔

۴۔ "طوق الحمامة" پر بالتفصیل لکھیے۔

۵۔ "قصة حي بن يقظان" پر بالتفصیل لکھیے۔

۶۔ ابن شہید کی زندگی پر روشنی ڈالیے۔

مندرجہ ذیل سوالوں کے جواب پندرہ سطروں میں تحریر کیجیے۔

۱۔ اندلس میں مقامہ کے ارتقاء پر روشنی ڈالیے۔

۲۔ اندلسی ادب میں ابن زیدون اور اس کی نثر نگاری پر روشنی ڈالیے۔

۳۔ ابن طفیل کو فن قصہ میں کیا مقام حاصل ہے؟ بیان کیجیے۔

۴۔ ابن بردالاصغر کی زندگی پر روشنی ڈالیے۔

۵۔ لسان الدین بن الخطیب کی حیات وخدمات پر نوٹ لکھیے۔

۶۔ ابن حزم کی کتاب طوق الحمامة عربی ادب میں کس نظر سے دیکھی جاتی ہے؟

۷۔ اندلس میں فن خطابت پر نوٹ لکھیے۔

۱.۲۴ : مطالعہ کے لیے معاون کتابیں:

١۔ ضيف ، شوقي ، تاريخ الأدب العربى ، عصر الدول والإمارات ؛ الأندلس، القاهرة : دارالمعارف ۔

٢۔ الشكعة، مصطفى ، الأدب الأندلسي : موضوعاته وفنونه ، بيروت: العلم للملائين، ط/٥، ١٩٨٣م.

٣۔ عباس ، إحسان، تاريخ الأدب الأندلسي: عصر سيادة قرطبة؛ بيروت: دارالثقافة، ط/١، ١٩٦٠م.

٤۔ البيومي ، محمد رجب ، الأدب الأندلسي بين التأتروالتأثير ، الرياض: جامعة الإمام محمد بن سعود الإسلامية ، ١٩٨٠م.